اس کا گلا پکڑ کے جھنجوڑے اور کہے : اے ذمی ! محصول ادا کر ؟ تو صاحب ہدایہ کو اس حدیث پر یقین نہیں ہے
اور وہ اس پر اعتماد نہیں کرتے[1]

علاوہ ازیں :-

امام نووی نے جو ساتویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں ۔ خاص کر اس قانون کو بہت برا بھلا کہا ہے ۔ وہ اپنی کتاب منہاج میں بیان مذکور کو نقل کرنے کے بعد یہ رائے دیتے ہیں ۔

" یہ حالت اب بالکل کالعدم ہے اور اسے مستحب خیال کرنا خطائے شدید ہے "

امام شہاب الدین احمد ابن حجر ہیثمی مکی جنہوں نے ۹۷۵ھ میں وفات پائی ۔ اپنی شرح کتاب مذکور میں یہ فرماتے ہیں

" یہ حالت اب بالکل کالعدم ہے کیونکہ سنت میں اس کی کوئی بنیاد یا سند نہیں ہے اور نہ خلفائے راشدین نے کبھی ایسا عمل کیا ہے ۔ اور اسی بنا پر " ام " میں صاف لکھا ہے کہ ٹیکس بڑے اخلاق کے ساتھ وصول کیا ہے ، ان کی اہانت صرف اس قدر ہے کہ انہیں قانون کی اتباع کرنی پڑتی ہے لیکن ان کے ساتھ نہ کسی قسم کا برا سلوک کیا جاتا ہے اور نہ مار پیٹ کی جاتی ہے ۔ چونکہ یہ بلا وجہ بدسلوکی ہے ۔ لہٰذا ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے "

کتاب ام جس کا حوالہ پیشتر دیا گیا ہے امام شافعی کی تالیف ہے ۔ جو مذہب فقہ کے چار ائمہ میں سے ہیں ۔ وہ ہجری کی دوسری صدی میں تھے (سن پیدائش ۱۵۰ اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ۔

فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کے انگریزی ترجمہ میں بھی یہی بات موجود ہے ۔

" جن لوگوں سے جزیہ طلب کیا جاتا ہے ۔ اگر وہ اس کے دینے پر راضی ہوں تو اسی حفاظت اور حقوق کے مستحق ہیں ۔ جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے " کفار جزیہ دیتے ہیں تاکہ ان کا خون مسلمانوں کے خون کے مانند اور ان کا مال مسلمانوں کے مال کے مثل ہو جائے[2]

اسی طرح جامع صغیر میں بھی یہ بات موجود ہے ۔

جامع صغیر میں لکھا ہے کہ اگر کسی ذمی سے سال کے گزر جانے تک جزیہ وصول نہیں کیا گیا ۔ اور دوسرا سال آ پہنچا تو پچھلے سال کا ٹیکس نہیں لیا جائے گا ۔ یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے[3]

ذمی کی توکیل ۔ نکاح کا مسئلہ کتنا اہم ہوتا ہے ، شرعی ، اخلاقی ، قانونی ، عرفی ہر اعتبار سے اس کی اہمیت مسلم ہے ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نکاح کے معاملہ میں ہم کسی ذمی کو اپنا وکیل بنا سکتے ہیں یا نہیں بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہیں ۔ آخر ایک غیر مسلم کو کسی مسلمان کے نکاح سے کیا تعلق ہو سکتا ہے ؛ کیوں نہ ایسے موقع پر کسی مسلمان ہی کو وکالت سپرد کی جائے ٹھیک ہے ہر شخص اپنی صواب دید پر ایسا کر سکتا ہے ۔ لیکن اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم (ذمی) کو اپنے نکاح کے بسلسلہ

حواشی

[1] ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۷۱ [2] ہدایہ مترجمہ چارلس ہیملٹن جلد دوم صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۰ء [3] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ ترجمہ انگریزی منجانب چارلس

میں وکیل بنانا چاہیے۔ تو شرح اُسے نہیں رد کر سکتی۔ وہ ایسا کر سکتا ہے اور ذمی کی توکیل جائز ہوگی۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔

ذمی کی دل شکنی ۔ فقہ کی بعض معتبر کتابوں میں صاف طور پر مرقوم ہے کہ ذمیوں سے ایسے الفاظ میں تخاطب نہ کیا جائے جس کا ان کا دل دُکھے یا وہ اپنی توہین محسوس کریں۔

"اسلامی فقہ میں کسی ذمی کو یا کافر اور یا عدو اللہ کے الفاظ سے مخاطب کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور ایسے شخص کے لئے سزا مقرر کی گئی ہے۔ جو غیر مسلم رعایا کی تکلیف دہی یا دل آزاری کے لئے ایسے غیر مہذب الفاظ سے ان کو مخاطب کرے۔ در المختار کا مصنف "قنیہ" (تصنیف نجم الدین زاہدی متوفی ۶۵۸ھ) سے خطاب ذکر کرتا ہے کہ اور جو شخص اس لفظ سے مخاطب کر کے اس کا دل دکھاتا ہے وہ گنہگار ہوتا ہے۔ مصنف "رد المختار شرح در المختار" اس فقرے کی شرح میں کہ "جو شخص اس لفظ سے مخاطب کر کے اس کا دل دکھاتا ہے وہ گنہگار ہوتا ہے" لکھتا ہے کہ اس لفظ کے استعمال کرنے والے کے لئے قانونی سزا مقرر کی گئی ہے۔

مصنف "بحر" کی بھی یہی رائے ہے۔ مصنف "در المختار" نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے لیکن صرف "نہر" کا مصنف اس پر معترض ہے۔[2]

کیا ان واضح تر تشریحات کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے؟ کہ فقہ اسلامی ذمیوں کی توہین و تذلیل روا رکھتی ہے؟ انہیں مساویانہ حقوق نہیں دیتی۔ ان کے ساتھ متعصبانہ سلوک کرتی ہے؟

"طب العرب" کی قدر دانی

ادارہ ثقافت اسلامیہ کی شائع کردہ کتاب "طب العرب" کے مؤلف حکیم سید علی احمد صاحب نیر واسطی کو پنجاب یونیورسٹی نے ڈھائی سو روپے کا انعام دیا ہے۔ یونیورسٹی کے اس اقدام پر علمی اور ادبی حلقوں کی طرف سے آپ سے مبارکباد دی جا رہی ہے۔

معلوم ہوا ہے، حکیم صاحب مئی یا جون میں مزید طبی تحقیقات کے لئے روم، انگلینڈ، ترکیہ، ایران اور مصر وغیرہ کا قصد کرنے والے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی کی اس قدردانی کے پیش نظر یہ توقع بیجا نہ ہوگی کہ اس علمی سفر کے سلسلہ میں بھی وہ حکیم صاحب کی حوصلہ افزائی کرے گی۔

[1] مختصر الفتاوی المصریہ لابن تیمیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۹ نمبر [2] رد المختار جلد ۳ صفحہ ۲۷ مطبوعہ مصر بحوالہ الاسلام

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

اسلام اور انسدادِ غلامی

غلامی ایک ایسا قدیم رواج ہے جو دنیا کی تمام متمدن قوموں میں بھی پایا جاتا تھا اور جسے بڑی بڑی تہذیبیں بھی ختم نہ کر سکیں اسلام کے متعلق عام طور پر یہ غلط فہمی ہے کہ اس نے غلامی کو ختم تو نہیں کیا ہے۔ ہاں غلاموں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے اس زمانہ کے معاشری اور اقتصادی نظاموں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلام نے غلامی کو بتدریج ختم کرنے کے عملی طریقے اختیار کئے۔ اور اس نظام کے ختم ہونے تک انہیں وہ حقوق دیئے ہیں جو کبھی کسی قوم نے نہیں دیئے تھے۔ اور جن سے محروم ہونے کی وجہ سے غلاموں کی حالت ـــ

جب دو قوموں میں باہمی آویزش ـــــ خواہ دونوں باطل پر ہوں یا ایک حق پر اور دوسرا باطل پر ـــــ جنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو فریقین میں کچھ مارے جاتے ہیں اور کچھ اسیر ہوتے ہیں۔ دراصل یہی وہ جنگی قیدی ہیں جن کے لئے غلام کا لفظ ایک اصطلاح کے طور پر رائج ہو گیا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لئے عبد کا لفظ ہے جس کی جمع عبید، عباد، عَبَدہ، عبدون، اَعْبُد، عُبدان، عِبدان، عِبِدّان اور اعباد ہے اور جمع الجمع اعابد، معابد اور اعبدہ ہے۔ اس مفہوم کے لئے عربی میں رقیق اور مملوک بھی ہے اور قِن بھی، فرق یہ ہے کہ قِن ایسے مملوک کو کہتے ہیں جن کے ماں باپ بھی مملوک ہوں۔ قرآن نے رقیق یا قِن بلکہ مملوک کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا ہے وہ اس کے لئے چار لفظ استعمال کرتا ہے ۱۔ ما ملکت ایمانکم، رقبہ، عباد اور مولیٰ ـ غلام کا لفظ قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے لیکن وہ اس معنی میں کہیں نہیں آیا ہے بلکہ ہر جگہ اس کے معنی نابالغ لڑکے کے ہیں۔ ہاں مجازاً مملوک کے معنی میں یہ لفظ کلام عرب میں (نہ کہ قرآن میں) مستعمل ہوتا ہے۔ عباد اور اس کے مشتقات تقریباً ڈھائی سو جگہ قرآن میں آئے ہیں اور ہر جگہ عام بندے یا بندگی کے معنی میں آیا ہے۔ غلام یا غلامی کے لئے صرف تین چار جگہ آیا ہے۔ مثلاً۔

تلک نعمۃ تمنھا علی ان عبدت بنی اسرائیل (۲۶ : ۲۲)

اے فرعون یہی احسان تو مجھ پر (موسیٰ پر) جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم و امائکم (۲۴ : ۳۲)

اپنی بیواؤں کا اور غلاموں اور باندیوں میں جو اس لائق ہوں ان کا نکاح کرا دو۔

الحر بالحر والعبد بالعبد (۲ - ۱۷۸)

آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام

بس یہی چند جگہیں ہیں جہاں "عبد" بمعنی غلام آیا ہے۔ رہا "مولیٰ" کا لفظ تو یہ غالباً صرف ایک ہی جگہ قرآن میں بمعنی غلام آیا ہے اور وہ بھی ایسا موقع ہے جہاں دوست وغیرہ کے معنی بھی لئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً:

فان لم تعلموا اباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم (۳۳ : ۵)

اگر تمہیں ان کے باپ کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں یا موالی

غرض ہماری زبان میں جس مفہوم کے لئے غلام کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اس کے لئے قرآن کریم میں تیرہ چودہ جگہ "ما ملکت ایمانکم (ایمانک، ایمانھم، ایمانھن)" کا لفظ آیا ہے اور سات آٹھ جگہ "رقبہ" کا لفظ۔ اسی کو اختصار کے لئے ملک یمین یا مملوک کہتے ہیں۔ ما ملکت یمینک کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جس کا مالک (تیرا) داہنا ہاتھ ہو۔ یہ مملوک کے لئے ایک مخصوص طرز بیان ہے۔ اردو زبان میں اس کا اچھا ترجمہ "زیر دست" ہے جو زبردست کے مقابلے میں آتا ہے۔ رقبہ کے لفظی معنی گردن کے ہیں، مجازاً اس کے معنی مملوک کے ہیں۔ کیونکہ اس کی گردن میں غیر مرئی طوق زیر دستی ہوتا ہے۔ اسلامی تمدن کے اثر سے اس طبقہ کے لئے زیادہ تر جو لفظ رائج ہوا وہ "مولیٰ" ہے جس کے مختلف اور متضاد معانی ہیں یعنی مالک اور غلام، آزاد کرنے والا اور آزاد کیا جانے والا، انعام دینے والا اور انعام لینے والا، محبت کرنے والا، ساتھی، حلیف، پڑوسی، مہمان، شریک، بیٹا، ہمزاد بھائی، بھانجا، چچا، داماد، رشتے دار، ولی اور تابع ـــ ایک لفظ بعض اوقات بڑے سے بڑا ذہنی انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ مولیٰ کا لفظ آنا حسین اور انقلاب انگیز ہے جو نفسیاتی لحاظ سے ایک مملوک کے احساس کہتری کو بڑی لطافت کے ساتھ ختم کر سکتا ہے۔ مملوک اپنے مالک کو جس طرح مولائی (میرے مولا) کہتا ہے اسی طرح مالک بھی اپنے مملوک کے لئے یہی مولائی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اسلامی تمدن نے ایسے کئی لفظ بدل دیئے ہیں جو کسی طبقے میں کمتری کا احساس پیدا کر سکتے ہوں۔ جولاہے کی جگہ نوربافت اور مومن، بھنگی کی بجائے مہتر مصلی اور جمعدار، نائی کے لئے خلیفہ اور ماچھی سقوں کے لئے بہشتی وغیرہ بھی اسلامی تمدن کا اثر ہے۔

اسلامی تمدن نے جہاں غلام کے لئے مولیٰ کا لفظ رائج کیا وہاں دو کام اور بھی کئے ہیں۔ ایک یہ کہ "مولا" کا فقط لفظ ہی نہیں دیا بلکہ اس کے عملی معانی بھی دیئے (اس کا ذکر آگے آتا ہے) دوسرے یہ کہ "عبد" کے لفظ کو ختم کر دیا جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رفعہ، لا یقولن احدکم عبدی وامتی ولا یقولن المملوک ربی و ربتی لیقل المالک فتای و فتاتی ولیقل المملوک سیدی و سیدتی فانکم المملوکون و الرب اللہ تعالیٰ (رواہ الشیخان وابو داؤد)

کوئی شخص اپنے مملوک کو عبد یا امہ (غلام یا لونڈی) نہ کہے بلکہ فتا یا فتاۃ (BOY AND MADE) کہے اور مملوک اپنے مالک کو رب و ربۃ کی بجائے سید و سیدہ (سردار) کہے کیونکہ دراصل رب اللہ تعالیٰ ہے اور تم سب

کہ صاحب اس کے مملوک ہو۔

غلاموں کی سطح بلند کرنے کے لئے یہ پہلا نفسیاتی قدم ہے جو آگے چل کر مساویانہ لفظ مولیٰ پر اور پھر واقعی مولیٰ (سردار) کے لفظ پر منتہی ہوا۔

ایک بنیادی نکتہ   ممکن ہے بعض ایسے لوگ جن کی نظر صرف الفاظ پر رہتی ہے اور معانی کی طرف نہیں جاتی اس حدیث کو قرآن حکیم کے خلاف بتائیں اور دونوں کا تناقض یوں دکھائیں کہ قرآن نے تو ان کو عبد کہا ہے اور حدیث عبد کہنے سے روکتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ حدیث قرآن سے متصادم نہیں ہوتی بلکہ عین منشائے قرآنی کو پورا کرتی ہے۔ قرآن خود یہی چاہتا ہے کہ انسان کی عبدیت صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے اور کوئی بھی کسی کا عبد نہ ہو اسی لئے اس نے تین چار جگہ لفظ عبد کو مملوک کے لئے استعمال کیا ہے اور دو سو جگہ عام انسانوں اور فرشتوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ پس درحقیقت یہ ایک بڑا بنیادی نکتہ ہے جسے ہر موقعے پر پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ احادیث میں آتا ہے کہ بعض چوروں کا حضورؐ نے ہاتھ نہیں کٹوایا۔ ایک سطحی نگاہ رکھنے والا فوراً یہ کہہ دے گا کہ یہ حدیث غلط ہے، کیونکہ قرآن نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اس قسم کے سطحی تناقضات کو حدیث کی صحت و سقم کا معیار بنانا لفظ پرستی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہیں سے یہ اصول اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم نے جہاں ابدی غیر متبدل اصول کی طرف رہنمائی کی ہے وہاں کچھ عبوری قوانین بھی دیئے ہیں اور بعض احادیث اسی منشائے الٰہی کو پورا کرتی ہیں۔ عبد کے لفظ کو بھی اسی میں شمار کیجئے۔

یہی ہیں وہ موالی جن کی ابتدا جنگ اور اسیری سے ہوئی ہے۔ وہ اصل جنگی قیدی ہوتے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک پرابلم (PROBLEM) بن جاتے ہیں۔ دور وحشت میں ان کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک روا رکھا جاتا رہا ہے وہ تاریخ کا کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں۔ یہ صرف اسلام ہے جس نے اس مظلوم طبقے کو انسانی حقوق دیئے اور اس رسم غلامی کو ختم کرنے کے لئے تدریجی قوانین عطا کئے۔ ایک سرسری نگاہ ان احکام پر بھی ڈالتے چلیئے۔

(۱) سب سے پہلا حکم تو یہ ہے کہ:

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منًّا

بعد واما فداءً حتی تضع الحرب اوزارها .... (۴۷-۴)

پھر جب اہل کفر سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو گردنیں اڑاؤ تا آنکہ جب تم ان کا زور توڑ دو تو قیدی مضبوط باندھ لو۔ پھر

یا تو بطور احسان چھوڑ دو یا فدیہ لے کر یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔

اس آیت میں صاف صاف حکم ہے کہ جنگ ہو رہی ہو تو اس مقابلے میں دشمنوں کو قتل کرو اور جب زور ٹوٹ جائے تو لڑنے والوں کو گرفتار کرو اس کے بعد جب تک جنگ جاری رہے ان قیدیوں کو پوری مضبوطی سے گرفتار رکھو۔ اس کے بعد ان کو قتل نہیں کرنا ہوگا بلکہ بطور احسان یا فدیہ لے کر آزاد کر دو ۔۔۔ میدان جنگ میں زور ٹوٹنے کے بعد جنگ کا [illegible]

بند ہو جانا ضروری نہیں۔ بہادر دشمن پھر بھی مقابلہ کرتا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں خواہ مخواہ قتل کرنے کی بجائے گرفتار ہی کرنا چاہیئے اور یہ گرفتاری اس وقت تک جاری رہے گی کہ حتی تضع الحرب اوزارہا (جنگ ختم ہو جائے) ۔ اس ختم جنگ کے بعد قیدیوں کا وجود ایک حل طلب مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس کا حل یہ بتایا گیا ہے کہ یا تو انہیں یونہی بطور احسان آزاد کر دو یا پھر فدیہ لے کر رہا کر دو۔ بطور احسان رہا کرنے کے لئے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ یہ قیدی پھر سر نہ اٹھائیں گے ورنہ جس فساد کو روکنے کے لئے جنگ کی گئی ہے وہی پھر سامنے آ جائے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دشمن کا زور ٹوٹ چکا ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض ط (۸ : ۶۷)

کسی نبی کے لئے قیدیوں کا ہونا درست نہیں تا آنکہ وہ (جنگ کر کے) غلبہ نہ حاصل کر لے (یا دشمن کا زور نہ توڑ دے)

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ جب دشمن کا زور ٹوٹ جائے اور اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے تو پھر قیدی رکھنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ غلبہ حاصل نہ ہو تو قیدیوں کو رکھنے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے؛ اس آیت کا مطلب صرف غایت جنگ کو بیان کرنا ہے یعنی مقصد جنگ صرف اموال (جس میں مال غنیمت اور لونڈی غلام سب داخل ہیں) کا حصول نہیں بلکہ کفر کا زور توڑنا اور اسلام کا غلبہ پیدا کرنا ہے۔ "حتی" اسی غایت کو بیان کرنے کے لئے آیا ہے۔

غرض قیدیوں کا قید میں رہنا اسی وقت تک ہے جب تک کہ اہل کفر کا زور نہ ٹوٹ جائے۔ جب یہ محسوس ہو جائے کہ یہ فتنہ اب سر اٹھانے کے قابل نہیں تو دو صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ضروری ہے یعنی ان کو یا تو بغیر فدیہ لئے بطور احسان رہا کر دیا جائے یا فدیہ لے کر۔ اب اگر کوئی مجاہد اپنے حصے کے قیدی کو فدیہ لئے بغیر ہی چھوڑ دیتا ہے تو یہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہوگا اور بے انتہا اجر کا باعث ہوگا۔ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ قیدی یا اس کے ورثا رقم فدیہ ادا کر کے اسے رہا کرا لیں گے یا اس کا انتظار کیا جائے گا کہ وہ قیدی خود کچھ کما کر زر فدیہ ادا کرے اور رہائی حاصل کر لے۔ اس انتظار اور ادائیگی کے دوران میں اس کی کیا پوزیشن ہوگی اسے ذرا غور سے سنیئے:۔

(۲) عن ابی الیسرؓ قال بصر عینای ھاتان وسمع اذنای ھاتان ووعاہ قلبی ھذا واشار الی مناط قلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون .... (رواہ مسلم)

(حضرت ابوالیسرؓ کہتے ہیں کہ میری ان دو آنکھوں نے حضورؐ کو دیکھا اور ان دو کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے اس فرمان نبویؐ کو محفوظ رکھا کہ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

(۳) عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لاءمکم من مملوکیکم فاطعموہ مما تاکلون واکسوہ مما تلبسون ومن لم یلائمکم منھم فبیعوہ ولا تعذبوا

خلق اللہ تعالیٰ (ابوداؤد)

حضرت ابوذر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ تمہارے مملوکوں میں جو تمہارے مزاج کے مطابق ہو تو اسے وہی کھلاؤ اور پہناؤ جو خود کھاتے اور پہنتے ہو اور جو مطابق مزاج نہ ہو اسے فروخت کر دو اور مخلوق الٰہی کو سزا نہ دو۔

(۴) عن ابی مسعودؓ قال کنت اضرب غلاماً لی فسمعت صوتاً من خلفی اعلم یا ابا مسعود ان اللہ اقدر علیک منک علیہ فالتفت فاذا ھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ ھو حرٌّ لوجہ اللہ قال اما لو لم تفعل للفحتک النار او لمستک النار۔ (ابوداؤد و ترمذی)

ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے یہ آواز آئی کہ ابو مسعود! ابو مسعود!! اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا تم اس پر ہو۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو حضورؐ تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ اللہ کے لئے آزاد ہے۔ فرمایا، ہاں اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی لپیٹ میں آجاتے۔

(۵) عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ضرب احدکم خادمہ فذکر اللہ فارفعوا ایدیکم (ترمذی)

حضور کا یہ فرمان ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی اپنے خادم کو مارنے لگے اور وہ اللہ کا نام لے لے تو اپنا ہاتھ روک لے۔

(۶) عن ابن عمر قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ کم نعفو عن الخادم فصمت فاعاد الکلام فصمت فلما کان فی الثالثۃ قال فی کل یوم سبعین مرۃ (ابوداؤد و ترمذی)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ہم خادم سے کتنی بار درگذر کیا کریں؟ اس نے دوبارہ یہ سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ تیسری بار فرمایا کہ ہر روز ستر بار۔

(۷) عن ابن عمرؓ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من لطم مملوکہ او ضربہ فکفارتہ ان یعتقہ (مسلم و ابوداؤد)

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اپنے مملوک کو طمانچہ وغیرہ مارے اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔

خدارا ان تمام احکام کو غور سے پڑھ کر بتایئے کہ کیا یہ رعایتیں گھر کے دوسرے ممبروں کو بھی حاصل ہیں؟ کیا ان معانی کو یہ رعایتیں دے کر ان کو ہی مولا نہیں بنا دیا گیا ہے جس کے معنی مہمان، شریک، بیٹا، چچازاد بھائی، بھانجا، چچا، داماد وغیرہ کے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مملوک کو اسی معنی میں مولا بنا دیا گیا ہے جس کی تائید کے لئے صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے"

طرح اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے پردہ نہیں اسی طرح مملوک سے بھی پردہ نہیں ۔ اس بارے میں بلا کسی تاویل و توجیہ کے صاف و صریح نص قرآنی یوں ہے :۔

(۸) .... ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اٰبآئھن او اٰبآء بعولتھن او ابنآئھن او ابنآء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخوٰتھن او نسآئھن او ما ملکت ایمانھن .... (۲۴ : ۳۱)

اور عورتیں کسی کے سامنے اپنی زینت کو نہ ظاہر کریں بجز اپنے شوہروں ، باپوں ، سسروں ، فرزندوں ، سوتیلے فرزندوں ، بھائیوں بھتیجوں ، بھانجوں اپنی مخصوص عورتوں یا اپنے مملوکوں کے .....

اب ذرا غور کیجئے ایک طرف یہ حکم ہے کہ قیدیوں کو بلا فدیہ آزاد کر دو اور دوسری طرف یہ اجازت ہے کہ اگر چاہو تو فدیہ لے لو لیکن اس کے ساتھ (فدیہ ادا ہونے تک) اتنی قیدیں لگا دی گئی ہیں کہ مملوک تو معنیً آزاد رہتا ہے اور مالک مضبوطی سے مقید ہو جاتا ہے گویا لفظاً تو فدیہ لینے کی اجازت ہے اور بین السطور کا مضمون یہ ہے کہ فدیہ لئے بغیر ہی آزاد کر دو۔ مملوک کے ساتھ حسن سلوک کی نظیریں ۔ قرون اولیٰ میں ہمیں دونوں طرح کی نظیریں ملتی ہیں ۔ ایک طرف تو خود حضورؐ نے غزوہ حنین کے بعد چھ ہزار قیدیوں کو بلا فدیہ آزاد کیا اور بنی المصطلق کے سارے قیدیوں کو بلا فدیہ ہی اہل اسلام نے آزاد کر دیا اور دوسری جانب ان اہل اسلام کے قبضے میں جو قیدی رہے ان کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی بے شمار نظیریں ملتی ہیں کہ جن کا احاطہ مشکل ہے ۔ بدر کے قیدی خود بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ خود سوکھی کھجوروں پر گذارہ کرتے تھے اور ہمیں روٹیاں کھلاتے تھے ۔ حضرت عمرؓ سفر فلسطین میں جتنی دور خود اونٹ پر سوار ہو کے اتنی ہی دور آپ کا غلام سواری کرتا اور آپ پیدل چلتے اور بیت المقدس میں داخلہ بھی اس انداز سے ہوا کہ غلام سوار اور آقا کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار۔ عبداللہؓ بن عمرؓ اپنے غلام کو سونے کی ہنسلی پہناتے تھے ۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک مملوک کی غلطی پر اس کا کان زور سے مروڑ دیا ۔ فوراً اس سے کہا کہ تو بھی میرا کان مروڑ دے ۔ اس کا ہاتھ ذرا ڈھیلا پڑا تو فرمایا اور زور سے کیونکہ یہاں کی تکلیف آخرت کی تکلیف کی بہ نسبت بہت ہلکی ہے ۔ حضرت علیؓ بازار جاتے ہیں تو اپنے لئے معمولی اور خادم کے لئے عمدہ کپڑا خریدتے ہیں ۔ وہ عذر کرتا ہے تو فرماتے ہیں ۔ میں بوڑھا ہوں اور تم جوان ۔ میرے لئے معمولی اور تمہارے لئے عمدہ لباس ہونا چاہیئے ۔ حضرت حسنؓ پر ان کا خادم گرم گرم شوربا گرا دیتا ہے ۔ آپ اسے غصے سے دیکھتے ہیں تو وہ فوراً کہتا ہے والکاظمین الغیظ (غصے کو ہضم کرنے والے) آپ اسے اسی وقت معاف فرما دیتے ہیں ۔ پھر وہ آیت کا اگلا ٹکڑا پڑھتا ہے کہ والعافین عن الناس (لوگوں سے درگذر کرنے والے) آپ اسے اسی وقت آزاد کر دیتے ہیں ۔

ان دونوں طرح کی نظیروں کو دیکھ کر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ صحابہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ افضل اور لائق ترجیح فعل بلا فدیہ لئے ہی آزاد کرنا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات انسانی بہی خواہی کا تقاضہ یہی ہوتا ہے کہ قیدی کو فوراً رہا نہ کیا جائے ۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بھی آزادی پسند کرتا ہے لیکن اپنی کم فہم و کم سن اولاد کو

کوئی بھی عاقل بالغ اولاد کی طرح آزادی نہیں دیتا۔ بعض قیدی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر انہیں فی الفور رہا کر دیا جائے تو قطع نظر اس کے کہ وہ کوئی مزید قومی فتنہ کھڑا کرنے کا سبب بنیں یہ بھی ہوگا کہ وہ زیادہ بد تر حالت میں اپنی جہالت و ناواقفی کی وجہ سے ادھر ادھر مارے پھریں گے۔ شکم پری کے لئے جرائم کا ارتکاب کریں گے۔ اپنے اور دوسروں کے اخلاق بگاڑیں گے گداگری کو پیشہ بنا کر اپنی خودی کو برباد کریں گے اور ایک طرف سے رہا ہو کر دوسری طرف اس سے بدتر غلامی میں پھنس جائیں گے ایسی حالت میں انہیں رہا کر کے صرف اپنا پیچھا چھڑانا کوئی بڑی انسانی خدمت نہیں کہی جا سکتی۔ ایسی صورت میں اہون البلیتین ہی کو اختیار کرنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ اپنی خاطر نہیں بلکہ ان مظلوموں کی خاطر انہیں اپنا فرزند بنا کر رکھا جائے۔ ان کی تعلیم و تربیت اور تہذیب اخلاق کے ذریعے ان کی ذہنیت بلند کی جائے ان کو فکر معاش سے خود کفیل ہونے تک آزاد رکھا جائے اور اس طرح انہیں سوسائٹی کے لئے اعلےٰ اور مہذب افراد بنایا جائے۔ یہ خدمت ان کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے بدرجہا بہتر ہے۔ صحابۂ کرامؓ نے جب بھی قیدی اپنے پاس رکھے تو مقصد یہی تھا نہ کہ غلامی کے رواج کو باقی رکھنا۔ پھر ان ہی صحابہؓ میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بیشمار قیدیوں کو کوئی فدیہ لئے بغیر ہی آزاد کیا۔ مثلاً حکیم بن حزام نے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے سو غلام آزاد کئے۔ حضرت عائشہؓ نے صرف ایک قسم کے کفارے میں چالیس قیدی رہا کئے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے تیس ہزار غلاموں کو آزاد کیا۔ یہ روایتیں صحیحین اور شرح بلوغ المرام میں موجود ہیں۔

آزادی دلانے کے کچھ اور طریقے

یہ ہیں وہ احکام جو قیدیوں کے متعلق ہیں۔ ان کا صاف مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ لہٰذا خود بخود ان کی رہائی کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس دوران میں بھی ایسے ایسے طریقے اختیار کئے گئے ہیں جو ان قیدیوں کی رہائی کا راستہ صاف کرتے رہیں اور رفتہ رفتہ کوئی کسی کا غلام نہ رہے۔ مندرجہ ذیل احکام پر غور فرمائیے:۔

(۱) .... فکفارتہ ...... او تحریر رقبۃ .... (۵ : ۸۹)

قسم توڑنے کا کفارہ یہ کہ .... یا غلام آزاد کرو ....

(۲) من قتل مؤمنا خطأً فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ... (۴ : ۹۲)

غلطی سے کسی مومن کے قتل کا کفارہ ایک مومن قیدی کو آزاد کرنا ہے۔

فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ... ایضاً

اگر وہ مقتول مومن تمہاری دشمن قوم کا فرد ہو جب بھی یہی کفارہ ہے۔

وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ (ایضاً)

اگر وہ معاہد قوم کا فرد ہو تو اس کا کفارہ علاوہ خون بہا کے ایک مومن غلام کی رہائی ہے۔

والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا (۵۸ : ۳)

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر کے اپنے الفاظ واپس لینے چاہیں تو اس کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ وہ دونوں باہم ملیں۔

(۴) ابو ہریرہ سے نسائی میں ایک روایت ہے جس میں رمضان کا روزہ توڑنے والے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کفارے بتلائے جن میں پہلا کفارہ یہ تھا کہ:

ھل تجد رقبۃ تعتقھا۔ کیا کوئی غلام آزاد کر سکتے ہو؟

یہ احکام تو وہ ہیں جو کفارات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن غلطیوں کی تلافی کے لئے یہ کفارات ہیں وہ بھی آئے دن پیش آنے والی ہی غلطیاں ہیں۔ اب ان کے علاوہ دوسرے احکام بھی دیکھئے جن میں ان قیدیوں کی رہائی کا راستہ کھول دیا گیا ہے!

(۵) انما الصدقٰت للفقراء ... وفی الرقاب ... (۹ : ۶۰)

صدقات کے مصارف میں ایک بڑا مصرف غلاموں کی رہائی بھی ہے — گویا بیت المال کا ایک حصہ اسی کے لئے وقف ہے۔

(۶) لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتب والنبیین واٰتی المال علی حبہ ذوی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عٰھدوا والصٰبرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون۔ (۲ : ۱۷۷)

مشرق و مغرب کی سمتوں کی طرف رخ کرنا اصل نیکی نہیں۔ اصل نیکی ہے اللہ، آخرت، ملائکہ، کتاب اور انبیاء پر ایمان لانا، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، حاجت مندوں اور قیدیوں کی رہائی پر اللہ کی محبت میں مال صرف کرنا۔ نماز قائم کرنا، جب معاہدہ کیا جائے تو اسے پورا کرنا اور تنگی و تکلیف اور مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہنا۔ ان صفات کے لوگ ہی صادق اور متقی ہیں۔

اس آیت میں بڑی بنیادی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ محض مذہبی رسوم کی ادائیگی کوئی بڑی نیکی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ قیدیوں کی رہائی کو ان ایمانی و عملی اوصاف کی صف میں رکھا گیا ہے جن میں سارا اسلام سمٹ کر آجاتا ہے بلکہ وفی الرقاب (قیدیوں کی راہ میں) فرما کر انداز بیان کو اس پوری نیکیوں کی صف میں امتیاز خاص بخشا گیا ہے۔ "وفی الرقاب" میں ان قیدیوں اور غلاموں کی تمام طرح کی جزوی و کلی امدادیں داخل ہیں جس کی مکمل شکل ان کی آزادی ہے۔

(۷) الم نجعل لہ عینین۔ ولسانا وشفتین۔ وھدینٰہ النجدین۔ فلا اقتحم العقبۃ۔ وما ادرٰک ما العقبۃ۔ فک رقبۃ۔ ...... (۹۰ : ۸ تا ۱۳)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں، زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور دو دشوار گزار راستے نہیں دکھائے؟ مگر

مگر وہ اس گھاٹی کو عبور نہیں کرتا ۔ وہ گھاٹی کیا ہے : (سب سے پہلے) گردن چھڑانا (یعنی قیدی کو آزاد کرنا)

ان آیات میں صحیح انسانی راستے کو ایک دشوار گزار گھاٹی بتایا گیا ہے اور اسے عبور کرنے کے لئے جہاں اور باتیں ضروری ہیں وہاں سب سے پہلا نمبر غلاموں کی رہائی کا ہے کیونکہ یہ بھی ہماری طرح کے انسان ہیں اور ہماری طرح آنکھیں اور زبان رکھتے ہیں ہمیں اس لئے آنکھیں اور زبان دی گئی ہے کہ ان کی بے بسی کو دیکھیں اور ایک جنبش لب میں "انت حرٌ" کہہ کر انہیں نعمت آزادی دے کر اپنی سطح پر لے آئیں۔ پہلی آیت میں فک رقبہ کو اصل نیکی قرار دیا گیا ہے اور ان آیات میں اسی کو ایک واجب واجب العبور گھاٹی بتایا گیا ہے۔

(۸) اگر کوئی شخص مذاق سے بھی اپنے قیدی کو "انت حرٌ" کہہ دے تو وہ آزاد ہو جائے گا جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ:

ثلٰثٌ الجد والھزل فیھن سواءٌ النکاح والطلاق والعتاق ... (رواہ الطبرانی)

نکاح، طلاق اور عتاق تینوں میں سنجیدگی و مزاح کا اثر یکساں ہے۔

اس کے علاوہ احادیث میں جن طریقوں سے اس نیکی پر ابھارا گیا ہے ان پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے:۔

(۹) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل اعتق امرأ مسلما استنقذ اللہ بکل عضو منہ عضوا منہ من النار (رواہ الشیخان والترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی کسی مرد مسلم کو غلامی سے آزاد کرے گا اس کے ہر ہر عضو کے بدلے اللہ تعالےٰ وہی وہی عضو آتش جہنم سے بچا لے گا۔

(۱۰) عن ابی امامۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرئ مسلم اعتق امرأ مسلما کان فکاکہ من النار یجزی کل عضو منہ عضوا منہ، وایما امرئ مسلم اعتق امرأتین مسلمتین کانتا فکاکہ من النار یجزی کل عضو منھما عضوا منہ، وایما امرأۃ مسلمۃ اعتقت امرأۃ مسلمۃ کانت فکاکھا من النار یجزی کل عضو منھا عضوا منھا (رواہ الترمذی)

جو مسلمان کسی مسلمان کو غلامی سے آزاد کرے گا وہ جہنم سے اس طرح آزاد ہوگا کہ آزاد ہونے والے کے ہر عضو کے بدلے اس کا وہی عضو آزاد ہوگا اور جو مسلمان دو مسلمان عورتوں کو آزادی بخشے گا اس کا جہنم سے اس طرح چھٹکارا ہوگا، کہ ان دونوں کے ہر عضو کے عوض اس کا وہی عضو نجات پائے گا اور کوئی مسلمان عورت کسی مسلمان عورت کو آزاد کرے گی تو اس کے ہر عضو کی جزا میں اس کا وہی عضو آگ سے آزاد ہوگا۔

(۱۱) عن ابی نجیح قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اعتق رقبۃ مومنۃ کانت لہ فداءہ من النار (ترمذی)

جو کسی مسلمان کو غلامی سے رہا کرے وہ رہائی اس کے آتش دوزخ سے بچنے کے لئے فدیہ ہو جائے گی۔